جارحیت پسندی کے رجحان کا تدارک: تعلیمات صوفیا کی عصری معنویت

The Significance of Sufi Teachings in Eradication the Inclinations of Antagonism

Mr. Allah Ditta
Lecturer, Department of Islamic Studies, Federal Govt. Degree College Multan
Dr. Muhammad Saleem
Associate Professor, Department of Islamic Studies, Emerson College Multan
Tehmina Talib
M.Phil Scholar, The Women University Multan

Abstract

This investigation is an attempt to reveal the disadvantages and drawbacks of aggression and its prevailing trends in our society. In this regard, the significance of Sufi teachings in eradication the inclinations of antagonism on the family life of Pakistani society have been labelled. The Sufis are a group of practical Muslims whose slogan is the promotion and dissemination of moral thoughts and values based on Islamic teachings such as forgiveness, patience, peaceful co-existence and harmony etc. These entities teach these values to their followers and cliques too. Due to their noble and decent character, non-Muslims also get benefitted from these noble personalities and some people embrace Islam. The society are endowed with practical knowledge and practices as well. These people not only forgive their opponents despite the demonstration of bad manners and rudeness, but sometimes they also reward them with prizes and honors, for this reason, it helps to end the tendency of aggression in our society and promote tolerance in the society. In this way, non-violence, kindness, tolerance and peace are endorsed to establish an ideal society. In this article, the same issues have been

reviewed according to Islamic Sufism perspective. and the events and stories of the Sufis have been described relating to these noble issues.

Keywords: Sufis, Aggression, Islamic Teachings, Sufism, Peace, Society, forgiveness, antagonism

تمہید

صوفیا کرام بہترین اور عملی مسلمانوں کا ایک گروہ ہے جن کا شعار اسلامی تعلیمات پر عمل اور اخلاقی افکار و اقدار کی ترویج و اشاعت ہے۔ یہ نفوس قدسیہ اخلاق حسنہ کے بلند مراتب پر فائز ہوتے ہیں اور اپنے مریدین و متعلقین کو بھی انہی مظاہر کا علمی و عملی درس دیتے ہیں۔ ان کے اخلاق فاضلہ اور کردار عالیہ کی بدولت مسلمان علم و عمل سے سرشار ہوتے ہیں تو غیر مسلم اسلام کی دولت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ یہ نفوس بد اخلاقی و درشتی کے مظاہرے کے باوجود اپنے مخالف کو نہ صرف یہ کہ معاف کر دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو انہیں انعام و اکرام سے بھی نوازتے ہیں۔ ان کے اسی بلند کردار اور اعلی اخلاق کی وجہ سے معاشرے میں جارحیت پسندی کے رجحان کے خاتمے میں مدد ملتی ہے اور معاشرے میں برداشت، عدم تشدد، حسن سلوک، رواداری اور امن کو فروغ ملتا ہے یوں ایک مثالی معاشرہ کے قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اس مضمون میں انہی امور کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس ضمن میں صوفیا کرام کے واقعات و حکایات کو بیان کیا گیا ہے۔ جن سے یہ امور بخوبی مترشح ہوتے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں عصر حاضر میں جارحیت کے نقصانات اور مفاسد کی وضاحت کی گئی ہے اور اس کے تدارک و علاج کو واضح کرنے کے بعد سفارشات اور نتائج کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

جارحیت پسندی کے رجحان کے متعلق قرآن و سنت کی تعلیمات

عصر حاضر کے اس مادی دور میں لوگوں کی غرض وغایت دنیوی اغراض بن کر رہ گئی ہیں اور اپنی ان خواہشات نفسانی اور حب جاہ کی تکمیل کے لیے وہ ہر جائز و ناجائز مقاصد و مصالح کا سہارا لیتے ہیں۔ آخرت میں پوچھ گچھ کا خوف اور محاسبہ نفس ایک دیوانے کا خواب بن کر رہ گیا ہے۔ اور جب ان کی خواہشات پوری نہیں ہوتی تو وہ اپنی مایوسی اور غم و غصے کا اظہار جارحیت پر مبنی رویے کی صورت میں نکالتے ہیں۔ ایسے حالات میں بہت زیادہ ضروری ہے کہ معاشرے کی اس بگڑتی صورت حال کی طرف توجہ کی جائے اور ان کی اصلاح کا بندوبست کیا جائے۔ اس ضمن میں صوفیا کرام کے طرز عمل اور ان کے کردار سے روشنی کا حصول اس لیے اہم ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ایک خلق کثیر کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا اور لوگ آج کے اس مادی دور میں ان کی تعلیمات کے پہلے سے زیادہ محتاج اور ضرورت مند ہیں۔ اس لیے ان کی سیرت کا مطالعہ نہایت اہم ہے۔ یہ نفوس قرآن کی تعلیمات کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اس لیے کہ قرآن پاک میں بھی جارحیت پر مبنی رویے کو پسند نہیں کیا گیا ہے۔ ویسے بھی شیریں گفتگو اور نرمی کسی بھی شخص کا دل جیتنے اور اسے اپنا بنانے کے لیے کافی ہوتی ہے بلکہ ایسا عمل تو پتھروں کے بھی دل موہ لیتا ہے۔ اور قرآن پاک نے نبی کریم ﷺ کو اسوہ حسنہ قرار دیا ہے اس لیے ان کی سیرت پر عمل کرنا جارحیت کے رویوں کو ختم کرنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ کے اعلی اخلاق کریمانہ تھے کہ انہوں نے ان لوگوں کے بھی دل جیت لیے کہ جو لوگ اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ ارشاد ربانی ہے: **فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ**[1] یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم خو ہیں اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، سو ان سے درگزر کریں ان کے

لیے مغفرت چاہیں۔ چنانچہ آج بھی نرمی وشیریں گفتگو کے ذریعے دشمنوں وحریفوں کے دل بھی جیتے جاسکتے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ لسانی جارحیت وسخت کلامی کی بجائے میٹھی اور نرم گفتگو کی جائے۔ آج مسلمان نبی کریم ﷺ کی سیرت سے بہت دور ہیں نہ تو مسلمان نبی کریم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ ہی نبی کریم ﷺ کی سیرت سے آشنا ہیں ۔ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے گی اور پھر ان کی سیرت کے عملی نمونوں سے درس حاصل کیا جائے۔ کسی بھی لحاظ سے آج ہمیں نمونہ چاہیے ہو تو نبی کریم ﷺ کی ذات میں ہر لحاظ سے مکمل نمونہ موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے:وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ [2] بیشک آپ اخلاق کے سب سے بڑے مرتبے پر فائز ہیں۔ نرمی وشیریں گفتگو کی بات ہو یا عفو درگذر کی، غصے کو ضبط کرنے کی بات ہو یا تحمل وبردباری کی، جذباتیت کی بجائے عقلیت ومعقولیت کی بات ہو یا حلم کی، صبر وشکر کی ہو یا توقف وتامل کی، قناعت کی ہو یا توکل کی۔ اقوام عالم کو تاریخ انسانی کے کسی بھی دور میں جب کسی بھی لحاظ سے رہنمائی درکار ہو تو ہمیں رسول اللہ ﷺ کی ذات سے روشنی مل سکتی ہے آپ ﷺ کی سیرت کے چند گوشے نقل کئے جاتے ہیں تاکہ عمل کرنے کا ذہن بنے اور سخت کلامی ولسانی جارحیت کی بجائے نرمی اور شیریں گفتاری کی عادت بن سکے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ چل رہا تھا اور آپ ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کے کنارے موٹے اور کھردرے تھے، اچانک ایک دیہاتی نے آپ کی چادر مبارک کو پکڑ کر اتنے زبردست جھٹکے سے کھینچا کہ آپ کی مبارک گردن پر خراش آگئی۔ وہ کہنے لگا: اللہ تعالیٰ کا جو مال آپ کے پاس ہے آپ حکم فرمایئے کہ اس میں سے کچھ مجھے مل جائے۔ نبی کریم ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور مسکرا دیئے، پھر اسے کچھ مال عطا فرمانے کا حکم دیا۔[3] تورات میں نبی کریم ﷺ کے جو اخلاق کریمہ بتائے گئے ان میں سے یہ بھی تھے کہ نہ تو وہ کسی کا برا چاہنے والے ہیں نہ ہی سخت کلامی کرنے والے ہیں اور نہ بازار میں شور مچانے والے ہیں۔ وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں۔[4] نبی پاک ﷺ اگر کسی سے ناراض ہوتے تو اس شخص کو کیا کہتے تھے اور آپ کا طرز عمل کیا تھا اس کو اس حدیث سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ گالی گلوچ کرنے والے بدگوئی کرنے والے، لعنت کرنے والے نہ تھے، ہم میں سے کسی پر اگر کبھی ناراض ہوتے تو فرماتے اس کو کیا ہو گیا ہے؟ اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔[5]

جارحیت پسندی کے بارے میں صوفیاء کی تعلیمات

قران وحدیث میں بہت زیادہ مواد جارحیت پسندی کے خاتمے اور تدارک کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے صوفیائے کرام نے قران وسنت کی انہی تعلیمات سے رہنمائی پکڑی ہے اور ان تعلیمات کو اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ کر کے لوگوں کو ان تعلیمات کا ایک عملی نمونہ پیش کیا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں صوفیائے کرام سے محبت کرنے والوں کی ایک کثیر تعداد ان کی معتقد ومحب اور پیروکار رہی ہے تاریخ شاہد ہے کہ پوری دنیا میں تبلیغ اسلام کا فریضہ انہی نفوس قدسیہ کے ہاتھوں سرانجام پایا ہے اور ان نفوس نے وہ کام کیا ہے جو کہ مجاہدین اسلام بھی سرانجام نہیں دے سکے۔ ان کی زبان نے وہ کارنامے سرانجام دیے جو مجاہدین اسلام کی تلواریں سرانجام دینے میں ناکام رہیں۔ انہوں نے لوگوں کے دلوں کے ان قلعوں کو فتح کر لیا جنہیں فتح کرنے میں مجاہدین اسلام کی زندگیاں بسر ہو گئیں۔ دلوں کو مسخر کر لینے والا ایسا ہی ایک واقعہ یہ ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک غلام نے ایک طشت میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ دھلواتے ہوئے ان پر پانی بہایا تو وہ پانی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کپڑوں پر بھی جا گرا، امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے تیز نظروں سے دیکھا، غلام نے یہ کہنا شروع کیا: "میرے آقا! وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ (اور غصہ پینے والے) (ابھی اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:"

میں نے اپنا غصہ پی لیا۔"غلام نے پھر کہا:" وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (اور لوگوں سے در گزر کرنے والے)"آپ نے فرمایا: "میں نے تجھے معاف کیا۔"غلام نے عرض کی: وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ [6] (اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں) تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:" جا، تو اللہ عزوجل کے لئے آزاد ہے اور میرے مال میں سے ایک ہزار دینار تیرے ہیں۔[7] یہ واقعہ حضرت سیدنا میمون بن مہران کے بارے میں بھی بیان کیا گیا ہے[8] فرق صرف یہ ہے کہ اس میں لونڈی کا ذکر ہے جبکہ امام جعفر صادق کے واقعے میں غلام کا ذکر ہے یہاں پانی کے کپڑوں پر گرنے کا ذکر ہے اور سیدنا میمون بن مہران کے سر پر گرم سالن کے گرنے کا ذکر ہے بقیہ تفصیل کم و بیش یہی ہے۔ اور اسی طرح یہی واقعہ امام جعفر صادق کے جد امجد حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی انہی الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ [9] امام حسن کے واقعے میں شوربے کے آپ کے کپڑوں پر گرنے کا ذکر ہے۔ بہر حال یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ صوفیائے کرام کی تعلیمات اور ان کا اخلاق اور کردار کیسا تھا کہ ایسے موقع پر ہر شخص فطرتاً غصے میں آجاتا ہے لیکن ان ہستیوں نے بجائے غصے میں آنے، بدلہ لینے، ڈانٹ ڈپٹ کرنے یا سخت جملہ کہنے کے، اس شخص کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ احسان و اکرام کرتے ہوئے اس غلام کو اللہ رب العزت کی رضا کے لیے آزاد بھی کر دیا اور حضرت امام جعفر صادق کے اس واقعہ میں تو یہ بھی مذکور ہے کہ انہوں نے اس غلام کو ایک ہزار دینار بھی عطا فرما دیئے۔ اس سے بڑھ کر عفو و در گزر، نرمی و آسانی، صبر و برداشت، حلم و بردباری، شفقت و محبت اور لطف و احسان کی کوئی مثال ملنا مشکل ہو گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی انہی تعلیمات کی ترویج و اشاعت کی جائے تاکہ معاشرے میں پھیلی جارحیت، تشدد پسندی اور عدم برداشت کے رویوں کو کم کیا جا سکے کیونکہ ختم کرنا تو شاید ممکن نہ ہو لیکن ان میں تخفیف و کمی ضرور لائی جا سکتی ہے۔ حضرت ابو عمرو بن علاء اور حضرت سفیان بن علاء رحمہا اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت احنف بن قیس سے پوچھا گیا کہ آپ نے حلم و بردباری کہاں سے سیکھی؟ جواب دیا کہ حضرت قیس بن عاصم سے۔ وہ حلم و بردباری میں یگانۂ روزگار تھے۔ ہم لوگ حلم و بردباری کے حصول کی خاطر ان کی بارگاہ میں اس طرح حاضر رہتے جیسا کہ ایک فقہ کا طالب کسی فقیہ کے پاس حاضر رہتا ہے۔ ایک مرتبہ ہم حضرت قیس بن عاصم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، وہ اپنی چادر سے احتباء کئے (یعنی گھٹنے کھڑے کر کے چادر سے باندھ کر سرین پر) بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک کچھ لوگ آئے، انہوں نے آپ سے کہا:" حضور! آپ کے بیٹے کو آپ کے چچازاد بھائی نے قتل کر دیا ہے، یہ دیکھیں آپ کے بیٹے کی لاش اور یہ آپ کا چچازاد بھائی ہے، ہم اسے رسیوں سے باندھ کر آپ کے پاس لے آئے ہیں۔ راوی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ آپ نے یہ غم ناک خبر سن کر بالکل چیخ و پکار نہ کی بلکہ لوگوں کی پوری بات توجہ سے سنی پھر گھٹنوں پر بندھی ہوئی چادر کھولی اور مسجد کی طرف چل دیئے۔ وہاں پہنچ کر اپنے بڑے بیٹے سے کہا کہ جاؤ، میرے چچازاد بھائی کو آزاد کر دو اور اپنے بھائی کی تجہیز و تکفین کرو۔ اور میرے چچازاد بھائی کی والدہ کے لئے سو اونٹ ہدیتاً لے جاؤ، وہ بیچاری انتہائی غریب و تنگ دست ہے۔ پھر آپ نے کچھ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ میں ایسا مرد ہوں کہ جس کی خاندانی شرافت کو کسی بھی گندگی و عیب نے داغ دار نہیں کیا۔ میں منقر قبیلے کے انتہائی معزز گھرانے کا معزز فرد ہوں اور ٹہنیوں کے گرد ٹہنیاں ہی نکلتی ہیں۔ میں ان فصحاء میں سے ہوں کہ جب ان میں سے کوئی کلام کرتا ہے تو بہترین چہرے والا اور فصیح زبان والا ہوتا ہے۔ وہ پڑوسیوں کے عیبوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنا جانتے ہیں۔[10] کیا زبردست اور عمدہ اخلاق تھا حضرت قیس بن عاصم کا۔ چنانچہ جب آپ کا انتقال ہوا تو کسی شاعر نے آپ کی شان میں یہ اشعار کہے جن کا مطلب یہ تھا کہ اے قیس بن عاصم! تجھ پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہو اور اس کی رحمت ہو جب تک وہ رحم کرنا چاہے۔ مبارک ہو اُسے جس نے غضب و ناراضی اور شدید غصہ دِلانے والا کام کیا لیکن پھر بھی تجھ

سے نعمتیں پائیں اور امن وسکون میں رہا۔ قیس کی وفات صرف اس اکیلے کی وفات نہیں بلکہ وہ تو پوری قوم کی عمارت تھا جو اس کی وفات سے منہدم ہوگئی۔ یہ واقعہ حلم وبردباری کی عمدہ مثال ہے کہ اپنے بیٹے کے قاتل کو نہ صرف معاف کیا بلکہ شفقت و احسان کرتے ہوئے اس کی والدہ کو سو اونٹ تحفۃً بھجوائے حالانکہ انہیں اختیار تھا کہ اپنے بیٹے کے قتل کے بدلے قاتل سے قصاص لیتے (یعنی قتل کے بدلے قتل کرتے) یا پھر دیت (یعنی سو اونٹوں) پر صلح کر لیتے لیکن یہ دونوں کام نہ کیے بلکہ اسوہ حسنہ کا عمدہ نمونہ پیش کرتے ہوئے سو اونٹ ان کے گھر والوں کے لئے بھجوائے۔ یہ بزرگ واقعی حلم وبردباری کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ اور اپنے نبی پاک ﷺ کی سیرت کا عملی نمونہ دوبارہ سے پیش کیا کہ یہ بھی اسی نبی ﷺ کے غلام ہیں کہ جس نبی ﷺ نے بدترین جانی دشمنوں کو اور اپنے پیارے چچا کے قاتلوں کو معاف کر دیا، جو ظلم کرنے والوں کو دعائیں دیتے رہے، جو تکلیف دیتے انہیں پیار ومحبت سے نوازتے، جو قطع تعلق کرتا اس سے تعلق جوڑتے۔ آج بھی اسی سیرت پر عمل وقت کی اہم ضرورت ہے۔ حضرت معمر بن راشد کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت قتادہ بن دعامہ کے صاحبزادے کو زوردار تھپڑ مارا۔ انہوں نے بلال بن ابی بردہ سے اس کے خلاف مدد طلب کی لیکن اس نے کوئی توجہ نہ کی۔ چنانچہ، انہوں نے بادشاہ سے شکایت کی تو اس نے بلال بن ابی بردہ کو لکھا کہ تم نے حضرت قتادہ بن دعامہ کے ساتھ عدل نہیں کیا۔ چنانچہ، بلال بن ابی بردہ نے تھپڑ مارنے والے کو بلایا اور بصرہ کے سرداروں کو بھی بلایا۔ وہ حضرت سے اس شخص کی سفارش کرنے لگے لیکن انہوں نے سفارش قبول نہ کی اور اپنے بیٹے کو کہا کہ تم بھی اسی طرح اسے تھپڑ مارو جس طرح اس نے تمہیں مارا تھا اور کہنے لگے! بیٹا اپنی آستینیں اوپر کر لو اور ہاتھ بلند کر کے زوردار تھپڑ مارو۔ چنانچہ، بیٹے نے آستینیں اوپر کیں اور تھپڑ مارنے کے لئے ہاتھ بلند کیا تو حضرت قتادہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ ہم نے رضائے الٰہی کے لئے اسے معاف کر دیا کیونکہ کہا جاتا ہے کہ معاف کرنا قدرت پانے کے بعد ہی ہوتا ہے۔[11] روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے اللہ! میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جسے میں صَدَقہ کر سکوں، لہٰذا جو کوئی میری بے عزتی کرے تو یہی میری طرف سے اس پر صدقہ ہے (یعنی میں نے اس شخص کو معاف کیا) اللہ رب العزت نے اس وقت کے نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے اسے بخش دیا۔[12] اور یہی طرز عمل رسول اللہ ﷺ کو اپنے صحابہ کرام اور اپنی امت سے بھی مطلوب ومقصود ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی ابو ضمضم کی طرح نہیں ہو سکتا؟ صحابہ کرام نے عرض کی: ابو ضمضم کون ہے؟ ارشاد فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص تھا جب صبح ہوتی تو وہ یوں کہتا: اے اللہ! میں نے آج کے دن اپنی عزت اس شخص پر صدقہ کی (یعنی اس شخص کو معاف کیا) جو مجھ پر ظلم کرے۔[13] چنانچہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ طرز عمل اور تعلیمات صرف تصوف اور صوفیا کی ہی نہیں ہیں بلکہ اللہ کے نبی ﷺ نے بھی اپنی امت سے اس بات کا تقاضا کیا ہے کہ وہ بھی جارحیت اور تشدد پسندی کا راستہ چھوڑ کر امن وآشتی اور رواداری ومحبت کا عملی مظاہرہ پیش کریں۔ اسی روایت سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بدلہ لینے کی بجائے معاف کر دینے والے لوگ بہت پسند ہیں۔ حضرت ابو عیسیٰ محمد بن ابراہیم سے روایت ہے کہ میں نے حضرت محمد بن عبد الرحمن کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عید قریب تھی، میرے پاس ان دنوں صرف تین ہزار درہم تھے۔ میرے ایک بہت قریبی دوست حکم بن موسی نے پیغام بھجوایا کہ میرے پاس خرچے کے لئے رقم وغیرہ نہیں، اگر تمہارے پاس کچھ رقم ہو تو بھجوا دو۔ پیغام ملتے ہی میں نے تین ہزار درہم ان کی طرف بھجوا دیئے۔ جب ان کے پاس رقم پہنچی تو انہیں خلاد بن اسلم کا پیغام ملا کہ مجھے عید کے خرچ کے لئے رقم کی ضرورت ہے، ہو سکے تو مجھے کچھ رقم بھجوا دو۔ پیغام ملتے ہی انہوں نے درہموں کی تمام تھیلیاں بغیر کھولے خلاد بن اسلم کی طرف بھجوا دیں۔ اب میرے پاس بالکل بھی خرچہ

وغیرہ نہ تھا۔ میں نے خلاد بن اسلم کو پیغام بھجوایا کہ اگر تمہارے پاس کچھ رقم ہو تو بھجوا دو تا کہ ہم عید کے موقع پر اہل و عیال کے لئے کچھ اشیاء خورد و نوش خرید سکیں۔ انہوں نے درہموں کی تھیلیاں بھجوائیں۔ جب میں نے انہیں کھولنا چاہا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ تھیلیاں تو وہی تھیں جو میں نے حکم بن موسی کو بھجوائیں تھیں۔ میں فوراً خلاد بن اسلم کے پاس گیا، سارا واقعہ سنایا اور استفسار کیا کہ یہ رقم آپ کے پاس کہاں سے آئی؟ انہوں نے کہا کہ مجھے حکم بن موسی نے بھجوائی تھی۔ اب میں سارا معاملہ سمجھ چکا تھا کہ یہ درہموں کی تھیلیاں واپس مجھ تک کیسے پہنچیں۔ میں حکم بن موسی کے پاس گیا اور انہیں ایک ہزار درہم دیئے۔ پھر خلاد بن اسلم کو ایک ہزار درہم بھجوائے اور بقیہ ایک ہزار درہم اپنے پاس رکھ لئے۔ اس طرح ہم تینوں کو عید کے اخراجات کے لئے کچھ نہ کچھ رقم میسر آگئی۔[14] یہ چند واقعات سیرت صوفیا کی زندگی کے چند بہترین عملی نمونے پیش کر رہے ہیں جن سے امن و رواداری اور باہمی ہم آہنگی، ضبط و برداشت، عدم تشدد اور صبر و تحمل کا عملی اظہار ہو رہا ہے۔ ان کی سیرت کے ان گوشوں پر عمل کرنے سے معاشرے میں ایک مثبت تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔

جارحیت کے رجحان کا تدارک وعلاج

کسی بھی مرض کا علاج اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کی تشخیص مکمل اور درست طریقہ کے ساتھ کر لی جائے۔ اگر کسی مرض کی تشخیص ہو جائے تو پھر اس کا علاج بہت آسان ہو جایا کرتا ہے۔ چنانچہ جس سبب کی وجہ سے مسئلہ درپیش ہے اس سبب کا علاج کیا جائے گا جب وہ سبب دور ہو جائے گا تو اس کا تدارک بھی آسان ہے۔ اختصار کے پیش نظر صرف چند اہم اسباب کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

جارحیت کی وعیدات

جارحیت و سخت کلامی بہت برا اور ناپسندیدہ عمل ہے بلکہ گناہ کبیرہ حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے اور اس عمل بد کی وجہ سے نماز روزوں و صدقہ خیرات کی کثرت بھی فائدہ نہیں دیتی۔ یعنی اس کی وجہ سے ایسی بڑی نیکیاں بھی ضائع ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن مجلس نبوی میں کسی شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ فلاں عورت کا زیادہ نماز، روزے اور کثرت صدقہ و خیرات کی وجہ سے بڑا چرچا ہے یعنی لوگ کہتے ہیں کہ وہ عورت بہت زیادہ عبادت کرتی ہے اور کثرت سے صدقہ و خیرات کرتی رہتی ہے لیکن وہ اپنی زبان کے ذریعہ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائے گی۔ یعنی وہ عورت چونکہ سخت کلامی و لسانی جارحیت کی مرتکب ہے اور گالم گلوچ کے ذریعہ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے اس لئے وہ دوزخ میں ڈالی جائے گی اور باوجود یہ کہ نماز روزہ اور صدقہ و خیرات افضل ترین عبادات میں سے ہیں لیکن اس کی یہ عبادتیں بھی اس کے گناہ کا کفارہ نہیں ہوں گی اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ فلاں عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بہت کم روزے رکھتی ہے بہت کم صدقہ دیتی ہے اور بہت کم نماز پڑھتی ہے اور حقیقت میں اس کا صدقہ و خیرات قروط کے چند ٹکڑوں سے آگے نہیں بڑھتا لیکن وہ اپنی زبان کے ذریعہ اپنے ہمسائیوں کو تکلیف نہیں پہنچاتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عورت جنت میں جائے گی۔[15] یعنی ایک نرم و ملائم اخلاق رکھنے والا شخص اپنے قلیل عمل کی بدولت اور نرم و شیریں گفتگو کی وجہ سے جنت میں جا سکتا ہے لیکن درشت گو شخص کے اچھے اعمال بھی اسے جنت میں لے جانے سے رکاوٹ ہیں جب تک وہ اس عادت بد کو نہ چھوڑ دے۔ اس لیے بدلہ لینے کی عادت کو چھوڑ دیا جائے ویسے بھی یہ عمل مومن کی شان کے خلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن طعنہ دینے والا، لعنت کرنے والا، بے حیاء اور بد زبان نہیں ہوتا ہے۔[16] اور جنت میں گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑا نہیں ہو گا۔ حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ "لا تسمع فیھا

لاغیۃ[17] "لاغیہ سے مراد گالی گلوچ ہے۔[18] چنانچہ اس عمل بد سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ ابھی سے عملی طور پر جنت کے ماحول کی مشق ہو سکے۔ اور یہ معاشرہ صحیح معنوں میں ایک جنتی معاشرے کا نمونہ پیش کر سکے۔

عفوو در گزر

عفوو در گزر اللہ کی صفت ہے اور اللہ رب العزت ان بندوں کو بہت زیادہ پسند کرتا ہے جو اس کے بندوں کے ساتھ عفوو در گزر کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: **وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ** [19] اور جو غصے کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کر دینے کے عادی ہیں۔ اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ رب العزت نے دشمنوں کو بھی دوست بنانے کا یہ طریقہ بیان کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ** برائی کو بھلائی سے ٹال تبھی تمھارا دشمن ایسا ہو جائے گا جیسے تمھارا گہرا دوست۔ یعنی سختی کا جواب نرمی سے، غصے کا جواب بردباری سے، جہالت کا جواب علم سے اور گالی کا جواب تہذیب و شائستگی سے دے گا تو ضرور وہ وقت آئے گا کہ جانی دشمن تمہارا دوست بن جائے گا۔ رسول اللہ کسی سے انتقام و بدلہ نہ لیتے تھے بلکہ معاف کر دیتے تھے۔ حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ یہود کی ایک جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت طلب کی (وہ لوگ اندر آئے) تو کہا السَّامُ عَلَیْکَ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا تم پر ہلاکت ہو اور لعنت ہو، آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ اللہ رفیق ہے ہر امر میں رفق (نرمی) پسند کرتا ہے، میں نے کہا آپ نے نہیں سنا جو انہوں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بھی تو وَ عَلَیْکُمْ کہہ دیا۔[20] یعنی ان کی اس جہالت و بے ہودگی کے جواب میں بھی آپ نے حسن خلق و نرمی کا ہی مظاہرہ کیا حتی کہ حضرت عائشہ نے اگر جواب دینا چاہا تو آپ نے انہیں بھی روک دیا۔ یہی آپ کے اخلاق کریمانہ تھے کہ جانی دشمن بھی آپ کے دوست بن جایا کرتے تھے۔

سیرت اسلاف کا مطالعہ

سیرت النبی کے مطالعے کے ساتھ ساتھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ گروہ صحابہ کرام کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے۔ اور اکابر تابعین و اولیائے کاملین کے حالات پڑھ کر اپنے اندر عمل کی سوچ پیدا کی جائے۔ یہاں مختصراً چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں۔ معرور کہتے ہیں کہ ابوذر غفاری کو اور ان کے غلام کو ایک ہی قسم کی چادر اوڑھے ہوئے دیکھا تو میں نے کہا کہ کاش آپ اس چادر کو لے کر پہنتے اور اس غلام کو دوسرا کپڑا دے دیتے، تو آپ کے لئے ایک جوڑا ہو جاتا، تو ابوذر نے بیان کیا کہ میرے اور ایک آدمی کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی، اس کی ماں عجمی تھی، میں نے اس کو برا بھلا کہا تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میری شکایت کی، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تو نے فلاں فلاں کو گالی دی ہے، میں نے کہا جی ہاں، فرمایا کیا تو نے اس کی ماں کو گالی دی ہے، میں نے کہا جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ایسا آدمی ہے جس میں اب تک جاہلیت کی بات باقی ہے، میں پوچھا کہ میری اس بڑی عمر میں بھی! آپ نے فرمایا ہاں! وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ نے ان کو تمہارے ہاتھوں میں دے دیا ہے اور جس کے ہاتھوں میں اس کے بھائی کو دے دے تو جو خود کھاتا ہے، اسے کھلائے اور جو خود پہنتا ہے، اس کو پہنائے اور اس کو ایسے کام کی تکلیف نہ دے، جو اس سے نہ ہو سکے اور اگر تکلیف دے تو پھر اس کے کرنے میں خود بھی مدد کرے۔[21] عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر آئے اور اپنے بھتیجے حر بن قیس بن حصن کے ہاں اترے اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو حضرت عمر اپنے قریب رکھتے تھے اور قراء خواہ وہ بوڑھے ہوں یا جوان عمر کی مجلس کے مشیر ہوتے تھے، عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا اے بھتیجے کیا امیر المومنین کے یہاں تیری رسائی ہے، تو میرے لئے اجازت لے سکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ عنقریب

تمہارے لئے اجازت لوں گا، ابن عباس کا بیان ہے، انہوں نے عیینہ کے لئے اجازت لی، جب وہ اندر آئے تو کہا کہ اے ابن خطاب اللہ کی قسم تم ہمیں نہ تو زیادہ مال دیتے ہو اور نہ ہمارے ساتھ عدل کے ساتھ فیصلہ کرتے ہو، حضرت عمر کو ان پر غصہ آگیا یہاں تک کہ قریب تھا کہ الجھ پڑیں، تو حر نے کہا امیر المومنین اللہ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: **خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ**[22] معافی کو قبول کریں اور نیکیوں کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے درگزر کیجئے۔ یہ شخص جاہلوں میں سے ہے، اللہ کی قسم، جو نہی یہ آیت حضرت عمر کے پاس پڑھی انہوں نے اس آیت کے خلاف نہیں کیا اور کتاب اللہ کے پاس بہت زیادہ رکنے والے تھے۔[23] یعنی بہت زیادہ عمل کرنے والے تھے۔ حضرت بشر بن منصور نے حضرت عبد الرحمان بن مہدی سے فرمایا کہ میں ایسے آدمی کو بھی کھانے کی دعوت دیتا ہوں جسے کھلانے سے کتے کو ڈال دینا مجھے بہتر لگتا ہے۔[24] یعنی بد کردار سے بد کردار آدمی اور ناپسندیدہ اشخاص سے بھی بد اخلاقی جائز نہیں ہے۔ یعقوب بن عبد الرحمن بن عبد القاری کہتے ہیں ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے کہا اے مفلس مجھے ادائیگی کر دے۔ حضرت عبد العزیز بن عبد اللہ بن عمر بن خطاب نے سنا تو کہا کہ یہ شریف لوگوں کا مرض ہے۔[25] یعنی کسی دوسرے شخص کو طعنہ دینا جائز نہیں ہے اگرچہ وہ تمہارا مقروض ہی کیوں نہ ہو یا اس کے ذمے تمہارا کوئی حق ہی کیوں نہ ہو۔ ایک مسلمان کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے کہ یہ خالق لم یزل کی سخت ناراضگی کا سبب ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص ایسا کرے تو وہ اسلاف کے اس طرز عمل کو یاد کرے کہ ایک عورت نے حضرتِ سیدنا مالک بن دینار رحمہ اللہ کو اِن الفاظ سے پکارا: اے ریاکار! آپ نے عاجزی سے کہا: اے خاتون! بصرہ کے لوگ میرا نام بھول گئے تھے، تو نے اس نام کو تلاش کر لیا۔[26] اس لیے مسلمان کو ایسی گفتگو سے باز رہنا چاہیے جو اس کی دنیا و آخرت کو برباد کر دیں۔

فضول گوئی سے اجتناب

فضول گوئی اسلام میں سخت ناپسند کی گئی ہے۔ بندہ مومن کو حکم دیا گیا ہے کہ اس کی جو بھی گفتگو ہو وہ یا تو دین کے فائدے کے لیے ہو یا دنیا کے فائدے کے لیے ہو۔ تیسری قسم کی گفتگو فضول ہے اور اس سے بچنے کا حکم ہے۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص میرے لیے اس چیز کا ضامن ہو جائے جو اس کے جبڑوں کے درمیان میں ہے یعنی زبان کا اور اس کا جو اس کے دونوں پاؤں کے درمیان میں ہے یعنی شرمگاہ کا، میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔[27] یعنی زبان اور شرمگاہ کو ممنوعات سے بچانے پر جنت کا وعدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی بات بولتا ہے اور اس کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا یعنی یہ خیال بھی نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ اتنا خوش ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو درجوں بلند کرتا ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کی ناخوشی کی بات بولتا ہے اور اس کی طرف دھیان نہیں دھرتا یعنی اس کے ذہن میں یہ بات نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ اس سے اتنا ناراض ہوگا، اس کلمہ کی وجہ سے جہنم میں گرتا ہے۔[28] اور دوسری روایت میں ہے کہ جہنم کی اتنی گہرائی میں گرتا ہے جو مشرق و مغرب کے فاصلہ سے بھی زیادہ ہے۔[29] جو زیادہ بولتا ہے عُموماً خطائیں بھی زیادہ کرتا ہے، اس لیے فضول گفتگو کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان صبح کرتا ہے تو اس کے اعضاء جھک کر زبان سے کہتے ہیں، ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر! کیونکہ ہم تجھ سے متعلق ہیں۔ اگر تو سیدھی رہے گی، ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگی ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔[30] یعنی جب فضول گفتگو کرے گا تو دوسروں کا دل دکھے گا انہیں تکلیف پہنچے گی۔ یوں نوبت لڑائی جھگڑے اور مار پیٹ تک آئے گی اور زبان کی سزا دیگر اعضاء کو بھگتنی پڑے گی۔ اسی لیے رسول اللہ نے فرمایا: **مَنْ صَمَتَ نَجَا**[31] جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔ اس لیے ایک مسلمان کو

چاہیے کہ یا تو خاموش رہے یا پھر اچھی بات کرے کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ ہر اس عمل سے بچتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی کا سبب بنتا ہو۔ فضول گوئی ایک ایسا عمل ہے جو ایک مسلمان کی آخرت کو برباد کرنے کے لیے کافی ہے۔

خلاصہ بحث

صوفیا نے اپنے عمل و کردار سے اور تعلیمات و تبلیغ سے اپنے متعلقین و محبین کو ہمیشہ امن و رواداری اور پیار و محبت کا درس دیا ہے۔ اسی وجہ سے معاشرے میں ان کا اثر و نفوذ بھی رہا ہے اور لوگ کثیر تعداد میں ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ عفو و درگزر اور صبر و تحمل کے ذریعے لوگوں کو مثالی کردار کا عملی درس دیتے رہے۔ آج بھی اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ معاشرے میں ان نفوس قدسیہ کی انہی تعلیمات کی ترویج و اشاعت کی جائے تاکہ ایک مثالی معاشرے کا قیام عمل میں لایا جا سکے۔ متذکرہ بالا بحث سے جو اہم امور سامنے آتے ہیں ان کا خلاصہ مندرجہ ذیل سطور میں پیش کیا جاتا ہے:

1. شیریں و نرم گفتگو کرنے کی عادت بنائی جائے اگرچہ یہ عادت بنانا مشکل کام ہے لیکن کچھ عرصہ کی مشق سے اور محاسبہ نفس سے اس عادت کو پروان چڑھایا جا سکتا ہے۔
2. جارحیت پر مبنی رویے کو ترک کر دیا جائے اور جارحیت و سخت کلامی کے نقصانات کو مطالعے میں رکھا جائے تاکہ اس عادت کو چھوٹنے میں مدد ملے۔
3. درشت گوئی و گالم گلوچ اور فحش گوئی عمل بد ہے اور اللہ رب العزت کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اس لیے اسے ہر ممکن حد تک اجتناب کیا جائے۔ جب کوئی شخص اس کے عملی نقصانات پر غور کرے گا تو اس عادت کو چھوڑنے میں مدد ملے گی۔
4. عفو و درگزر اللہ رب العزت کی پسندیدہ صفت ہے اور اللہ رب العزت ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو معاف کرنے والے ہیں چنانچہ عفو و درگزر کے فضائل و واقعات کو پڑھنے سے عفو و درگزر کی صفت کے اپنانے میں کافی مدد ملے گی۔
5. قرآن پاک کا اور سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کیا جائے تاکہ سیرت النبی ﷺ پر عمل کا ذہن بھی بن سکے۔
6. صوفیائے کرام علیہم رضوان کی سیرت کو بھی مطالعے میں رکھا جائے تاکہ ایسے نفوس کی سیرت کو بندہ مومن عملی طور پر اپنا سکے۔
7. صوفیائے کرام سے عملی طور پر خصائل حسنہ اور اخلاق عالیہ کو عملی طور پر اپنی زندگی میں نافذ کرنے کے لیے کسی صالح و متقی شخص کی صحبت میں وقت گزارا جائے۔
8. فضول گوئی سے اجتناب کیا جائے کیونکہ فضول گوئی کسی بھی صورت میں پسندیدہ نہیں ہے۔

References

[1] Āl-Imran, 3:159.
[2] Al-Qalam, 4:68.
[3] Muḥammad b. Ismā'īl Bukhārī, *Ṣaḥīḥ Bukhārī,* (Beirūt: Dar Touq-al-Najaat, 1422 A.H.), H. No. 3149.
[4] Bukhārī, *Ṣaḥīḥ Bukhārī,* H. No. 2125.

[5] Bukhārī, *Ṣaḥīḥ Bukhārī,* H. No. 6031.
[6] Āl-Imran, 3:134.
[7] Abdurrahman b, Ali Ibn Jozī, *Baḥar al-Damū ',*(Cairo: Dār al-Fajar li Turāth, 1425 A.H.), 142.
[8] Abu Ḥamid Muhammad b. Muhammad Ghazali, Iḥyā al-Ulūm, (Beirut: Dār al-M'arifah, N.D.), 2/ 220.
[9] Ismā'īl Ḥaqī, Rūḥ al-Bayyān, (Beirut: Dār-al-Fikr, N.D.), 2/95.
[10] Abdurrahman b, Ali Ibn Jozī, *'Oūon al-Ḥikāyāt,* (Karachi: Maktabatul Madina, 1409 A.H.), 2/94.
[11] Ahmad b. Abdullah Abu Noaim al-Aṣbahānī, *Ḥilyatul Owliyā'wa Tabqāt al-Aṣfiyā ',*(Cairo: Al-S'ādah bi Jawār al-Muḥafiẓah, 1974), 2/340.
[12] Aḥmad bin ʿAli bin Ḥajar Al-ʿAsqlānī, *Al-Aṣābah fī tamyīz al-Ṣaḥāba,* (Beirut: Dār al-Kutub al-'Ilmīah, 1415 A.H.), 7/191.
[13] Abū Dāwūd Sulaimān b. Ash'ath, *Sunan Abū Dāwūd,* (Beirūt: Al-Maktaba al Asriah, N.D.), H. No. 4887.
[14] Abdurrahman b, Ali Ibn Jozī, *'Oūon al-Ḥikāyāt,* 2/45.
[15] Aḥmad b. Ḥanbal, *Musnad Aḥmad b. Ḥanbal,* (Beirūt: Mosasa al-Risālah, 1421 A.H.), H. No. 9675.
[16] Muhammad b. 'Essa Tirmidhī, *Jami' al-Tirmidhī,* (Egypt: Shirkat Maktaba wa Matba'tu Mustafa al Babi al Ḥalbī, 1395 A.H.), 1977.
[17] Al-Ghāshīah, 88:11.
[18] Bukhārī, *Ṣaḥīḥ Bukhārī,* H. No. 4941.
[19] Āl-Imran, 3:134.
[20] Bukhārī, *Ṣaḥīḥ Bukhārī,* H. No. 6927.
[21] Bukhārī, *Ṣaḥīḥ Bukhārī,* H. No. 6050.
[22] Al-'Arāf, 7:199.
[23] Bukhārī, *Ṣaḥīḥ Bukhārī,* H. No. 4642.
[24] Abdullah b. Muhammad Ibn Abi al-Dunyā, *Makārim al-Akhlāq,* (Cairo: Maktabah al-Qāhirah, N.D.), H.No. 54.
[25] Ibn Abi al-Dunyā, *Makārim al-Akhlāq,* H. No. 70.
[26] Fareed al-Din 'Attar, *Tadhkirah al-Oliyā,* (Lahore: Al-Farooq Book Foundation, 1997), 31.
[27] Bukhārī, *Ṣaḥīḥ Bukhārī,* H. No. 6474.
[28] Bukhārī, *Ṣaḥīḥ Bukhārī,* H. No. 6478.
[29] Muslim b. Hujāj, *Ṣaḥīḥ Muslim,* (Beirut: Dār Aḥyā-al-Turath-al-'Arabī, N.D.) H. No. 49(2988)
[30] Aḥmad b. Ḥanbal, *Musnad Aḥmad b. Ḥanbal,* H. No. 11908.
[31] Muhammad b. 'Essa Tirmidhī, *Jami' al-Tirmidhī,* (Egypt: Shirkat Maktaba wa Matba'tu Mustafa al Babi al Ḥalbī, 1395 A.H.), H. No. 2501.